

# دربارِ باد

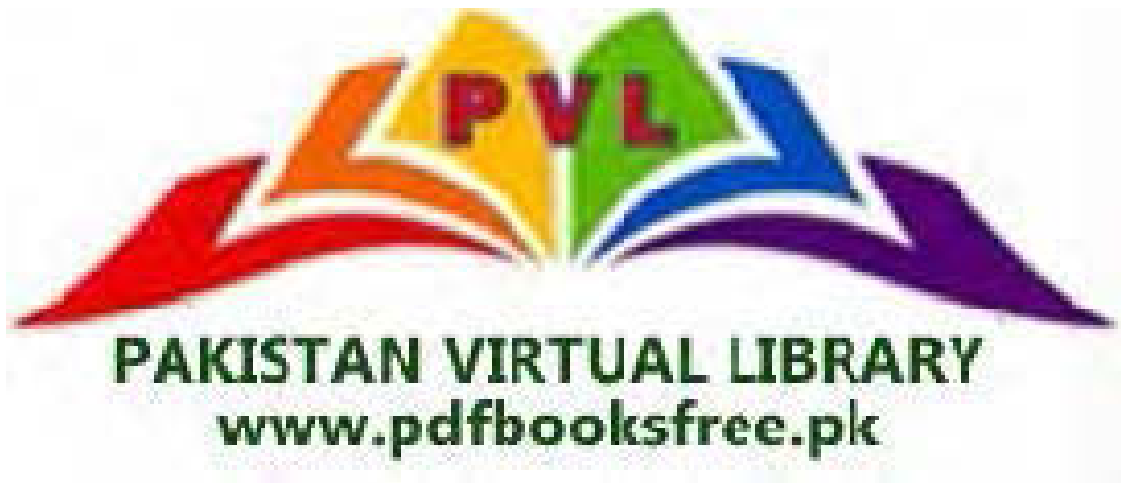
سید عقیل شاہ

PDFBOOKSFREE.PK

غزلیں نظمیں اور اشعار کا مجموعہ

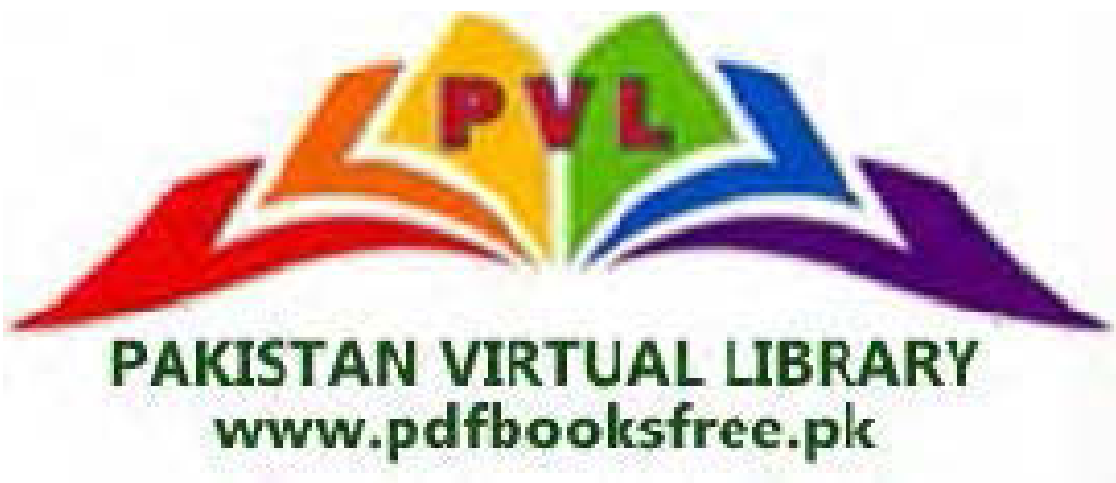


# در پدر



سید عقیل شاہ

اپنی آنکھوں میں فقط نیند ہے چند لمحوں کی  
اپنا رشتہ ہی نہیں خواب یا تعبیر کے ساتھ



میرے ساتھ در بدر بھٹکتی ہوئی تنہائی کے نام جو  
سائے کی طرح میرے درد کا زدِ راہ لیے بچپن سے  
اس ڈھلتی ہوئی عمر کے سائے تک میرے ساتھ  
ساتھ ہے۔

## شہر ذات کے اجنبی ہجوم میں

نجانے کس کی تلاش ہے ایسا کونسا دیار ہے جہاں کارادہ ہے  
روز اُمید کا سورج نئے عزائم کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور  
دن آخرش اکتاہٹوں کے ساتھ شام کے ویران سائیوں میں  
اداسیاں دے کر نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے پھر رات اپنے  
وحشت زدہ مناظر لیے ابھرتی ہے نیند کے بستر پہ گزشتہ  
تعبروں کے سراپوں سے توجہ ہٹا کر جاگتی آنکھوں سے کچھ  
خواب دکھاتی ہے اور پھر بے تابوں کی باہوں میں کروٹیں  
بدل کر رات بھی تمام ہو جاتی ہے۔ اور پھر ذات کے

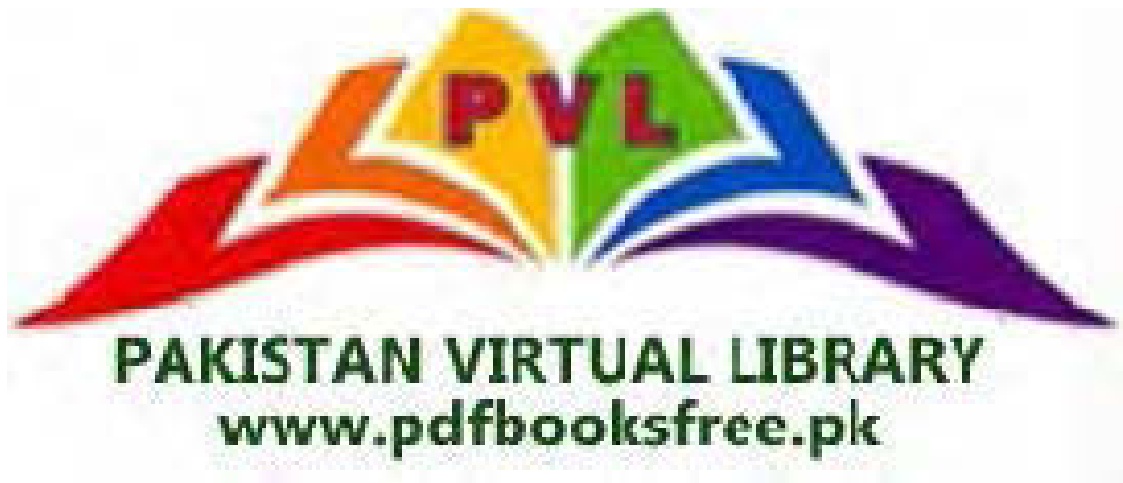
ویران صحرا میں اپنے خانہ بدوش خیالات کے ساتھ نکلنا پڑتا  
ہے لیکن تلاش ہے کہ بڑھتی ہوئی پیاس کی طرح بڑھتی  
جاتی ہے مطمئن نہیں ہونے دیتا ہے یہ بے چینوں کا آوارہ  
سفر خیر وضاحتوں کے لیے اک عمر درکار ہے میں اس دور  
کے دامن میں آ تو نکلا لیکن دربدر۔ ایسی راہوں پر جن  
پر زخم ہیں بے رخی کے نشتر ہیں مجبوریوں کے  
کانٹے ہیں بے وفائیوں کے نوکیلے پتھر ہیں حالات کی تپش

جسم کو جلاتی ہے تو کبھی سکوت میں پھیلا شور سماعتوں کو  
 چیخنے پہ مجبور کر دیتا ہے ہر لکھنے والا اپنے انداز اور نظریے  
 سے لکھتا ہے میں نے بھی جس نظر سے دیکھا محسوس کیا  
 لکھ دیا اس لیے کہ جو مجھ پہ کیفیات گزری ہیں۔  
 وہ اُسی شکل و صورت اُسی احساس کے ساتھ پہ آپ پہ  
 طاری ہو جائیں یہی شاعری کی جادوگری ہے۔ اور شاید  
 میرے نقش آنے والوں کو میرے ہونے کا پتہ دیتے رہیں۔  
 امید ہے آپکو یہ تمام میری تحریریں پسند آئیں گی۔

سید عقیل شاہ (جوہر کالونی سرگودھا)

رات بروز سوار جولائی 2017





رستے میں کیا سُراغ میں ملے اب ہوا کے ساتھ  
محبویوں کی گرد ہے ہر نقشِ پا کے ساتھ  
کس کو سنائی دے گی بھلا یہ ہجوم میں  
اتنے غموں کا شور ہے میری صدا کے ساتھ

- مختصر تعارف----- 11
- اُجڑا ہے سارا شہر کسی حادثے کے۔۔۔ 12
- لوٹ کر دیکھا نہیں وقتِ سفر یاد آیا۔۔ 14
- دیارِ عشق میں اپنی نشانی چھوڑ آیا۔۔۔۔ 14
- شام ہوتی ہے تو گھبرا کے۔۔۔۔۔۔۔ 15
- نظر پڑی ہے تری دیر سے آنے۔۔۔۔ 16
- اک شعر----- 18
- جنوں کا مارا ہوا ہوں نہ دے سہارا۔۔۔ 19
- بچپن کی یادیں (نظم)----- 20
- عجیب نقص ہے عذاب ہے کہانی میں۔ 21
- گر کر حدِ خیال سے اکثر لگے مجھے۔۔۔۔ 22
- اک شعر----- 23
- عالمِ خاک میں جب تک یہ صدا۔۔۔۔ 24
- ٹوٹا جو ضبط چھا گیا اُجڑے شہر پہ۔۔۔۔ 25
- جو لوگ سب کو بڑی سادگی سے۔۔۔۔ 26
- اک شعر----- 27
- جو نہیں میرا وہ کردار نبھا سکتا ہوں۔۔۔ 28



- دھوپ میں جل کے درختوں پہ ---30
- خون ہی خون ہے انسان کا ہر سمت ---31
- محبت آخری جذبہ نہیں ہے (نظم) ---33
- نجانے کس کی لگی بد دعا پرندوں کو ---35
- کچھ بھی ہو جائے نہیں کرتا ---36
- اک شعر ---38
- اندھیرے بانٹ کر پھر روشنی ---39
- کھویا ہوا رینا تو کبھی چھپ کے ---40
- بکھرے کسی خیال کی خاکہ کشتی ---41
- کچھ نہیں بنتا اگر مجھ سے مٹا ---42
- اک شعر ---43
- گرمی زیت کے آزار میں ---44
- اُلجھے ہوئے مزاج کے زندہ ---45
- دستک نہ کسی بھٹکے مسافر کی ---46
- تم شوق سے مارو یہ اٹھائے ---47
- احساس کے زندان کی دیوار گرا کر ---48
- اک شعر ---49

- 50-----ہوا میں پھیلے پروں کے نشان
- 51-----ذرا سا یاد ہے شاید یہیں پہ بھول
- 52-----نہ کوئی سمت ہے نہ رستہ مکمل ہے
- 54-----مجھے بچپن میں جانا ہے (نظم)
- 59-----تلاشِ رزق پرندوں کو در بدر رکھے
- 60-----اک شعر
- 61-----عزائے ہجر میں برسوں کی
- 62-----تلاشِ رزق کی قوت فضا میں
- 63-----اک شعر
- 64-----دُور برسات میں وہ جلتا مکاں
- 65-----خود ہی تحریر کرے خود ہی مٹا
- 68-----اک شعر
- 69-----یہاں پہ بادشاہت ہے یہاں
- 71-----اس دھوپ میں سائے کی ردا
- 72-----خشکی میں بھہ دیاؤں سے ملتا
- 73-----اس کے آرام کی خاطر کوئی
- 74-----اک شعر

- 75۔۔۔۔۔ یہ حوصلہ جو خطِ انتہا پہ گرتا ہے  
76۔۔۔۔۔ لوگ یہ خوش ہیں کنارے پہ  
77۔۔۔۔۔ اک شعر  
78۔۔۔۔۔ بہت ہی سوچتا ہوں میں  
79۔۔۔۔۔ سوچنا کیا وہ جل بھجا کہ نہیں  
81۔۔۔۔۔ اک شعر  
82۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ زمانے سے  
83۔۔۔۔۔ اُجار دشت ہے حدِ نظر کوئی بھی  
84۔۔۔۔۔ کوئی اک لاشیٰ ہی کب وہ  
85۔۔۔۔۔ تم تو سورج ہو تمہیں شب  
86۔۔۔۔۔ کسی کی یاد کا موسم بدل کے  
87۔۔۔۔۔ وہ میرا تھا نہ کوئی بھی امید تھی  
88۔۔۔۔۔ زمانے بھر کو جو اتنی خوشی  
89۔۔۔۔۔ ہمیں جو لوگ بڑے معتبر  
90۔۔۔۔۔ زمیں میں دفن ہیں صدیوں  
91۔۔۔۔۔ بدن کی لاش پہ صدیوں کا قرض  
93۔۔۔۔۔ چلو چھوڑو (نظم)  
95۔۔۔۔۔ اداس لمحو کی سسکیوں میں  
97۔۔۔۔۔ بہت پُر سوز آنکھیں ہیں  
98۔۔۔۔۔ مردہ ضمیر لوگ (نظم)  
100۔۔۔۔۔ آندھی نہ لرزتے ہوئے پیڑوں کی  
101۔۔۔۔۔ وہ بھی کیا دن تھے  
104۔۔۔۔۔ چاندنی رات میں  
106۔۔۔۔۔ دل میں جلتے ہوئے خوابوں کو ہوا  
107۔۔۔۔۔ میری وفا یہ میرا اعتبار تیرے نام  
109۔۔۔۔۔ سب زیست کے عنوان  
110۔۔۔۔۔ اک شعر





## مختصر تعارف

سید عقیل شاہ کا تعلق پاکستان کے مشہور شہر سرگودھا سے ہے اردو شاعری سے وابستہ ہیں اب تک انکے چار مجموعے آچکے ہیں جن میں چلو پھر لوٹ جاتے ہیں تھک گئی آنکھ سرد موسم کی ریزہ خواب اور تیرے شہر میں .. شامل ہے کتاب در بدر انکا پانچواں مجموعہ ہے امید ہے آپ کو پسند آئے گا رائے دینے کے لیے شاعر سے رابطہ اس نمبر پر کیا جا سکتا ہے

\*\*\*

اُجڑا ہے سارا شہر کسی حادثے کے ساتھ  
ویرانیاں ہیں دُور تک ہر راستے کے ساتھ

وحشت تمام شہر کی یہ بے سبب نہیں  
منسوب ہے یہ خوف کسی زلزلے کے ساتھ

اے گردشِ ایام کہیں راستے بدل  
مت کھیل اتنی دیر مرے حوصلے کے ساتھ

جب سے تمہارے نام سے وحشت ہوئی مجھے  
ملتا ہوں ہر کسی سے ہی میں فاصلے کے ساتھ

صدیوں کی زندگی ہے یہی ٹوٹنا عقیل  
منسوب ہے یہ موت کسی مرحلے کے ساتھ

\*\*\*

لوٹ کر دیکھا نہیں وقتِ سفر یاد آیا  
ہم کو رستے میں بڑی دیر وہ گھر یاد آیا

اتنا بھولا ہوں اُسے میں کہ سبھی بھول گیا  
آج وہ شخص بڑی دیر مگر یاد آیا

دشت میں چلنے لگے پاؤں تو ہم لوگوں کو  
اپنے آنگن میں گھنا کوئی شجر یاد آیا

در بدر ہوں جو بھرے شہر میں اس شام کے بعد  
مجھ کو اک دوست کا تنہائی میں در یاد آیا



\*\*\*

دیارِ عشق میں اپنی نشانی چھوڑ آیا ہوں  
زمانے میں محبت کی کہانی چھوڑ آیا ہوں

حسابِ زیست کیا تھا کچھ نہیں معلوم رستے میں  
کسی اک بھیڑ میں اپنی جوانی چھوڑ آیا ہوں

کوئی اک بھیس بدلا ہے مگر کچھ بھی نہیں بدلا  
وہ اک تہذیب ہی اپنی پرانی چھوڑ آیا ہوں

جو میرے ساتھ باقی ہے کوئی دنیا ہے مٹی کی  
جو پیچھے رہ گیا شیشے پہ پانی چھوڑ آیا ہوں

شام ہوتی ہے تو گھبرا کے کھلونوں سے میں  
زندگی تیرے سوالات میں کھو جاتا ہو  
روز تھک جاتا ہوں نادان سے بچے کی طرح  
روز اکتا کے کسی کھیل میں سو جاتا ہوں

\*\*\*

نظر پڑی ہے تری دیر سے آنے والے  
یہ مسافر ہیں ترے شہر جانے والے

اپنا مسکن ہے فقط راہ میں چلتے رہنا  
ہم کو ہر سمت ہی رستے ہیں بلانے والے

خود سے لپٹے ہوئے سو جاتے ہیں تنہائی میں  
ہم ہیں اپنا ہی فقط بوجھ اٹھانے والے

چھوڑ کر جسم وہ کردار کو رکھتے ہیں ہدف  
کتنے کم ظرف ہیں دشمن بھی نشانے والے

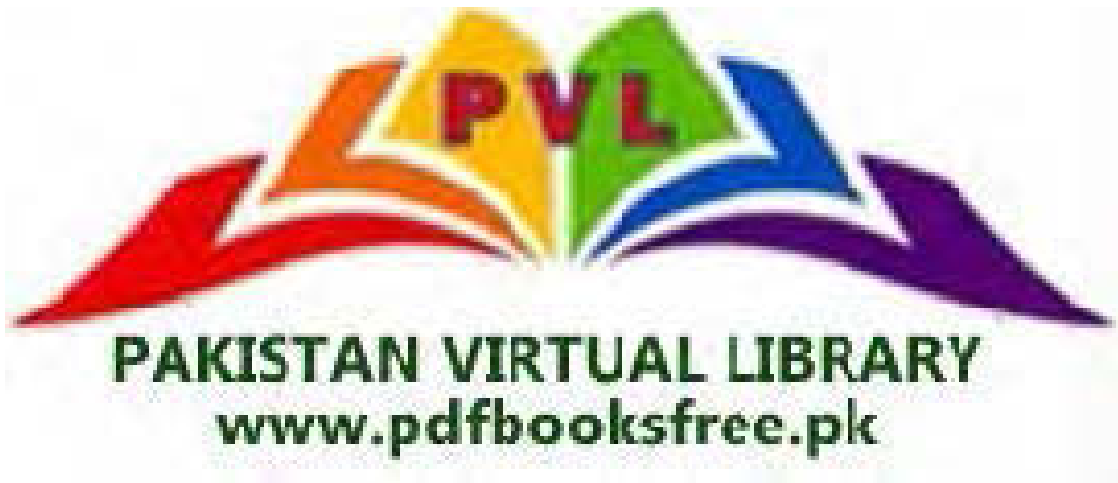
پھر وہی بات وہی ذکر وہی نام و نشان  
پھر وہی چہرے وہی لوگ پرانے والے



پھر وہی بات وہی ذکر وہی نام و نشان  
پھر وہی چہرے وہی لوگ پرانے والے

اجنبی جان کے لوگو نہ کرو شہر بدر  
ہم تو ہیں جلتا ہوا شہر بچانے والے

اس بھروسے کے عقیل اب نہ درے سے گزرو  
لوگ چوٹی<sup>ط</sup> سے ہیں پتھر کو گرانے والے



یہ شہر تجارت ہے یقین سوچ کے کرنا  
بکتے ہیں یہاں جو انمول بہت ہیں

\*\*\*

جنوں کا مارا ہوا ہوں نہ دے سہارا مجھے  
کہ میرے عشق نے صحرا میں ہے اُتارا مجھے

میں لوٹ آیا ہوں اس بھیڑ میں بچھڑ کر بھی  
مجھے لگا تھا کسی نے کہیں پکارا مجھے

میں ڈوبتا ہوں تو لہریں اُچھال دیتی ہیں  
جو تیرتا ہوں تو ملتا نہیں کنارہ مجھے

ہمارے شہر نے ہی در بدر کیا ہے ہمیں  
بنا دیا زمانے نے غم کا مارا مجھے

گزر گئی ہے یہ رات بھی غموں کی عقل  
دکھائی دینے لگا ہے سحر کا تارا مجھے



## بچپن کی یادیں

وہ چھوٹی سی گلی وہ لکڑی کا ڈنڈا  
 وہ گرسی کی وکٹیں وہ چھوٹا سا بلا  
 وہ چھوٹی سی اپنی کھلونوں کی دنیا  
 وہ گلیوں کی رونق وہ گھر کا محلہ  
 گرا کر وہ چوڑی کے ٹکڑے بنانا  
 وہ پھولوں کے گجرے وہ نقلی سا چھلا  
 وہ چھوٹی سی گڑیا کی شادی کی رونق  
 وہ پیسوں کے سکے وہ مٹی کا گلہ  
 نہ خوشیاں ہیں اب کے نہ رونق رہی ہے  
 وہ چھوٹی سی دنیا بڑی ہو گئی ہے

\*\*\*

عجیب نقص ہے عذاب ہے کہانی میں  
کھلا ہوا ہر اک باب ہے کہانی میں

ہر ایک حرف میں تعبیر ڈھونڈنی ہے مجھے  
یہ جانتے ہوئے کہ خواب ہے کہانی میں

کنارا آب ہے اور آب ہے کناروں سا  
ہر ایک سمت ہی گرداب ہے کہانی میں

سفر میں کارواں ہے دُور تک نہیں معلوم  
زمین پہ دشت ہے یا آب ہے کہانی میں

\*\*\*

گر کر حدِ خیال سے اکثر لگے مجھے  
آ کر ابابیل کے کنکر لگے مجھے

پاگل ہوں ایک عمر سے یہ راز تب کھلا  
بولا کسی جو بھیڑ میں پتھر لگے مجھے

ہم سا ہے سارا شہر یا اک دربدر ہوں میں  
جانے کیوں سارے لوگ ہی بے گھر لگے مجھے

اپنے جہاں میں قید ہیں منزل سے بے خبر  
صحرا نود لوگ مسافر لگے مجھے

شاید عقیل فقر کے پہلے سفر پہ ہوں  
مجھ سے ہی سارے لوگ جو بہتر لگے مجھے



ہم خانہ بدوشوں کا مقدر ہے مسافت  
ہم کو یہاں رستے کبھی منزل نہیں دیتے

\*\*\*

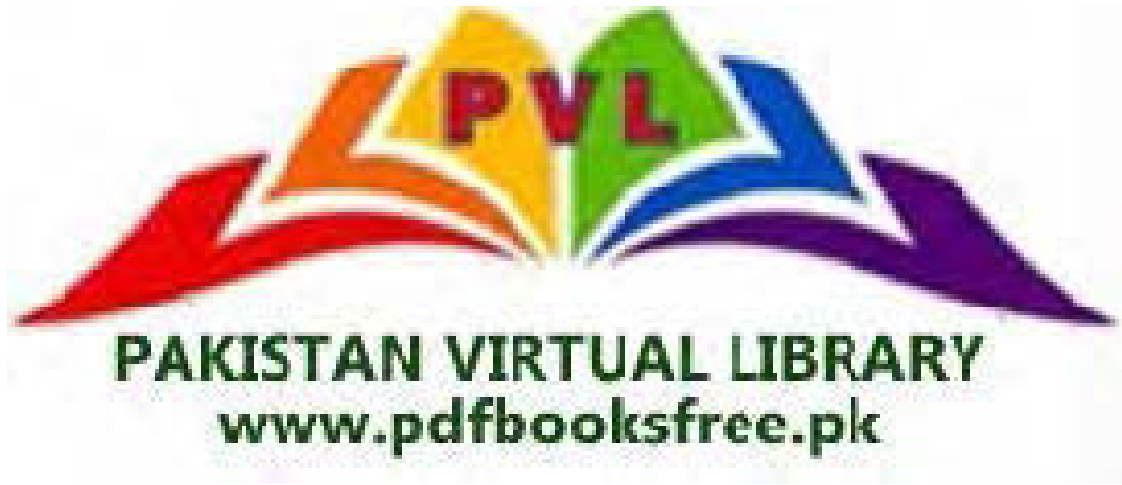
عالمِ خاک میں جب تک یہ ہوا آنی ہے  
میرے احساس سے جینے کی صدا آنی ہے

میں نے ہر بار ہی توڑا ہے بھروسہ اپنا  
مرے حصے میں ہر اک بار سزا آنی ہے

کوئی بھی خوف نہیں دشمن جاں ہو کچھ ہو  
مجھ کو جب تک مری دنیا کی غذا آنی ہے

نہ کسی سجدے کا ہونا ہے قرینہ مجھ کو  
نہ کسی کارِ عبادت میں دُعا آنی ہے

میں تو صدیوں کی فنا سے ہی حراساں ہوں عقیل  
اور ابھی آگے کہیں جا کے بقا آنی ہے



ٹوٹا جو ضبط چھا گیا اُجڑے شہر پہ خوف  
ٹکڑا کے کھنڈروں سے ہوا گونجنے لگی  
جانے یہ کیا سکوت میں اک حادثہ ہوا  
ہر سمت سسکیوں کی صدا گونجنے لگی



\* \* \*

جو لوگ سب کو بڑی سادگی سے ملتے ہیں  
نجانے کیوں وہ مجھے بے رُخی سے ملتے ہیں

ہمیں اُسی نے ہی جاتے ہوئے اداس کیا  
جسے بھی ہم بڑی زندہ دلی سے ملتے ہیں

غموں کا بوجھ تو خود ہی اُٹھانا پڑتا ہے  
سو دوسروں کو فقط ہم خوشی سے ملتے ہیں

عقیل لوگ تو ملتے ہیں عمر بھر لیکن  
بھلا نصیب کہاں پر کسی سے ملتے ہیں

مجھ کو فریب دے کے ہوئے لوگ باہنر  
میں اعتبار کر کے تو بکتا ہی رہ گیا

\*\*\*

جو نہیں میرا وہ کردار نبھا سکتا ہوں  
جانے والا ہوں مگر لوٹ کے آ سکتا ہوں

مجھ سے کیوں بات نہیں کرتے سمجھے ہوئے لوگ  
میں تو جلتا ہوا یہ شہر بچا سکتا ہوں

خود کو نقشے میں ہے لازم کہ نمایاں رکھوں  
ورنہ الجھے ہوئے جو خط میں مٹا سکتا ہوں

تم جسے توڑ کے آئے ہو بھروسہ دے کر  
میں یقین پھر وہ گر چاہوں بنا سکتا ہوں



عین ممکن ہے کسی دھوپ میں کام آ جائے  
ورنہ گرتی ہوئی دیوار گرا سکتا ہوں

مجھ کو اس پیاس کی شدت سے محبت ہے عقیل  
میں تو صحرا سے بھی یہ پیاس بجھا سکتا ہوں

\*\*\*

دھوپ میں جل کے درختوں پہ ثمر آیا ہے  
خود کو ہارا ہوں تو جینے کا ہنر آیا ہے

اپنے رستے میں کہیں کوئی نہ آئی منزل  
اپنے حصے میں تو ہر وقت سفر آیا ہے

اپنی دنیا میں اداسی ب ہے کہیں دُور تلک  
اپنے دامن میں تو ٹھہرا ہوا ڈر آیا ہے

دربدر ہے کسی منزل کے سراپوں میں عقیل  
یہ بھٹکتا ہوا جو چاند نظر آیا ہے

\*\*\*

خون ہی خون ہے انسان کا ہر سمت مگر  
پھر بھی سرسبز زمیں ہے یہ رنگیں عالم ہے

ہر طرف بکھرے ہوئے لاشے ہیں پامال مگر  
پھر بھی چلتی ہے ہوا اور حسیں موسم ہے

ہر طرف جبر کا بازار ہے مقتل ہیں بہت  
پھر بھی اس وقت کے دامن میں شکایت کم ہے



اس قدر درد کہ کوہسار بھی چیخ اُٹھے ہیں  
اک وہ احساس کہ انسان کے دل میں کم ہے

بات کرتا ہوں تو ہمدردی کی لوگوں سے عقیل  
دیکھنے لگتا ہوں کیا آنکھ کوئی بھی نم ہے

محبت آخری جذبہ نہیں ہے  
 محبت آخری جذبہ نہیں ہے  
 محبت آخری لمحہ نہیں ہے  
 محبت حرفِ آخر ہی نہیں ہے  
 محبت ایک رستہ ہے جہاں ہے  
 جہاں سے جانبِ منزل  
 کئی رستے نکلتے ہیں  
 جیسے کہ اک سمندر سے  
 کئی دریا نکلتے ہیں  
 مگر پانی کے اندر بھی  
 کئی صحرا نکلتے ہیں  
 جہاں پہ کوئی بھی  
 ٹھہرے گزر جائے

یا اپنی روح کی ساری  
تھکن لے کر

ارادہ سفر باندھے

سفر رکتا ہی کب ہے آرزو

کے سرد لمحوں کا

کوئی آئے چلا جائے بچھڑ جائے

گئے لمحوں کے مقتل سے

کوئی نہ لوٹ کر آئے

محبت ہو نہیں سکتی

کبھی محدود لوگوں میں

بدل کر روپ رہ جاتی ہے یہ

موجود لوگوں میں

\*\*\*

نجانے کس کی لگی بددعا پرندوں کو  
شجر ہی دیتے نہیں آسرا پرندوں کو

ذرا سی دیر میں کس نے اڑا دیے آ کر  
زمین پہ خوف تو کوئی نہ تھا پرندوں کو

تمام دن کو کڑی دھوپ میں بھٹکتے ہیں  
کہ آسرا نہیں دیتی ہوا پرندوں کو

عقیل کوئی تو سمجھے یہ فلسفہ میرا  
کوئی تو شام کو دیکھے ذرا پرندوں کو



\*\*\*

کچھ بھی ہو جائے نہیں کرتا شکایت میں بھی  
بات یہ ہے کہ نہیں کرتا محبت میں بھی

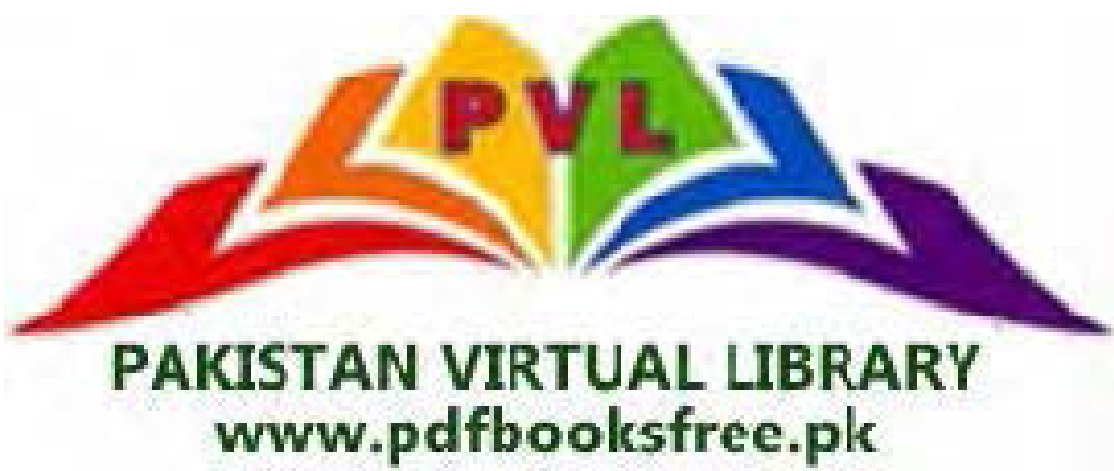
پہلے کرتا تھا بہت باتیں یہاں لوگوں سے  
اب کسی بات کی کرتا نہیں جرات میں بھی

اُس کو بھی ہجر کے آزار سے اب فرصت ہے  
بھول آیا ہوں کسی یاد کی عادت میں بھی

ختم کر دیں گے جو توقیر وہ سادات کی تو  
چھوڑ جاؤں گا سبھی لوگوں کی حرمت میں بھی

لوٹنا ہو گا کہیں دُور مجھے بھی تو عقیل  
چھوڑ جاؤں گا یہ دنیا کسی ساعت میں بھی

دے کر صدائیں لوٹ گئے ہیں ترے فقیر  
اس شہر نا مُراد سے کچھ بھی نہیں ملا



اندھیرے بانٹ کر پھر روشنی بنانے لگا  
امیر شہر بھی کرتب نئے دکھانے لگا

تمام رات کو جس نے جلائے جنگل تھے  
ہوا جو دن تو پرندوں کو وہ بچانے لگا

وفا امید محبت خلوص اور چاہت  
ہمارا شوق تھا آخر کسی ٹھکانے لگا

کبھی یہ شوق تھا ہم تک یہاں پہ لوگ آئیں  
اب اپنے نقشِ قدم خود ہی میں مٹانے لگا

میں روشنی کے سراپوں سے تھک چکا تو عقیل  
اندھیرا مجھ کو کئی راستے دکھانے لگا



کھویا ہوا رہنا تو کبھی چھپ کے وہ رونا  
کچھ یاد نہیں کب سے یہ عادت ہے اداسی  
بچپن کی بھی تصور میں پُر سوز ہے چہرہ  
لگتا ہے ازل سے مری قسمت ہے اداسی

بکھرے کسی خیال کی خاکہ کشی نہ جان  
مخرومیوں کی بھیڑ میں جھوٹی خوشی نہ جان

میں ہنس پڑا ہوں اپنے اذیت کے درد میں  
خود پہ ہی میرے طنز کو زندہ دلی نہ جان

چاہوں تو دشتِ فکر میں بو دوں ہنر کے پیڑ  
میرا کمالِ ضبط مری بے بسی نہ جان

احساس کے حصار میں پتھر ہوا ہوں میں  
اس کو مرے شعور تو خود کشی نہ جان

اس پہ عقیل آج بھی سائے کا فرض ہے  
جھک کر کھڑی فصیل کو گرتی ہوئی نہ جان

\*\*\*

کچھ نہیں بنتا اگر مجھ سے مٹا دیتا ہوں  
خود کو احساس کے منظر سے ہٹا دیتا ہوں

روز اکتا کے بنا دیتا ہوں مقتل اپنا  
آخری سانس پہ پھر خود کو بچا دیتا ہوں

کون ہوں میں کہاں سے ہوں نہیں پا سکتا  
اپنے افکار کے کھنڈرات گرا دیتا ہوں

کوئی تنہائی میں سن لے نہ مجھے میرے سوا  
عالم شور میں خود کو میں صدا دیتا ہوں

اے دل ترے مقام سے کچھ کاروانِ شوق  
گزرے ہیں در بدر بڑی محرومیوں کے ساتھ



گرمی زیت کے آزار میں آ بیٹھے ہیں  
لوگ بھی سایہ دیوار میں آ بیٹھے ہیں

اب کڑی دھوپ میں سائے کی طلب لازم ہے  
اب پرندے سبھی اشجار میں آ بیٹھے ہیں

کس نے آزار دہی کی ہے یہ تجارت میں  
اونٹ

جو بھٹکتے ہوئے بازار میں آ بیٹھے ہیں

شہر میں قتل گری عام ہوئی جاتی ہے  
لوگ کچھ حلقہ کردار میں آ بیٹھے ہیں

\*\*\*

اُلجھے ہوئے مزاج کے زندہ خیال لوگ  
لفظوں سے لُٹ لیتے ہیں یہ باکمال لوگ

انکا شکست ماننا بھی ایک داؤ ہے  
چپکے سے وار کرتے ہیں یہ باکمال لوگ

اپنے جواب پہ کوئی حیرت کی تھے مثال  
لفظوں کی بھیڑ میں چھپے اُلجھے سوال لوگ

اک وہ جو میری جان کا سارا سکون ہیں  
اک وہ کہ بات بات پہ کوئی وبال لوگ

اب تو عقیل ہر کسی رستے پہ ہے وہم  
جب سے بچھا گئے ہیں رستے میں جال لوگ

دستک نہ کسی بھٹکے مسافر کی صدا تھی  
لگتا ہے کہ دروازے پہ آوارہ ہوا تھی

اُتری ہی نہیں جسم سے برسوں کی سفر میں  
وہ تیری محبت کی تھکن تھی کہ خلا تھی

مجھ کو یہ لگا تھا ترے قدموں کی ہے آواز  
لیکن وہ صدا ہجر کے لمحوں کی خلا تھی

کب تک وہ کسی ذہن سے احسان نہ گرتے  
اس شہر کے لوگوں میں بھلا کتنی وفا تھی

جو پیڑ عقیل اب کے ملن رُت پہ گرا ہے  
لگتا ہے اسی میں ہی پرندوں کی بقا تھی



\*\*\*

تم شوق سے مارو یہ اُٹھائے ہوئے پتھر  
واپس نہیں کرتا ہوں میں آئے ہوئے پتھر

گلیوں کے مکینوں سے گلہ کچھ نہیں کرتا  
چُن لیتا ہوں لوگوں کے گرائے ہوئے پتھر

نجانے زمانے کے خدا کیسے ہوئے ہیں  
لوگوں کے وہ ہاتھوں سے بنائے ہوئے پتھر

تم کو بھی عقیل اُن سے کہاں فیض ملے گا  
تم نے بھی تو دل میں ہیں بسائے ہوئے پتھر



\*\*\*

احساس کے زندان کی دیوار گرا کے  
لے جاؤں گا خود کو ہی کہیں خود سے چھڑا کے

اب کوئی سلیمیاں کا حواری نہیں ملتا  
لے آئے یہاں تختِ سُبَا کون اٹھا کے

سایہ ہی مرا ساتھ وہ اب چھوڑ چکا ہے  
لایا ہوں جسے دھوپ کی شدت سے بچا کے

رکھنی بھی نہیں دشت میں وہ پیاس کی شدت  
اور پیاس بجھانی ہے تو دریا کو بنا کے

رستے میں عقیل اب کے عجب رسم پڑی ہے  
چلنا ہے تو قدموں کے نشانات مٹا کے

حاکم کے وہاں نام سے منسوب ہے تختی  
جو شہر غریبوں کی کمائی سے بنا تھا

\*\*\*

ہوا میں پھیلے پروں کے نشان چھوڑ گئے  
اُڑے پرندے تو خالی چٹان چھوڑ گئے

یہ کیا ہوا کہ قحط تو کوئی پڑا ہی نہیں  
یہاں پہ لوگ کیوں اپنے مکان چھوڑ گئے

تمام سال وہ وعدہ خلافیاں ہی رہیں  
قبلے والے یہاں پھر زبان چھوڑ گئے

یہ زندہ قبروں کے کتبے بتا رہے ہیں عقیل  
یہاں جو لوگ ہیں سارے جہان چھوڑ گئے

\* \* \*

ذرا سا یاد ہے شاید یہیں پہ بھول بیٹھا ہوں  
میں اپنے آپ کو خود میں کہیں پہ بھول بیٹھا ہوں

نظر میں ہیں مری ہر سُو جہاں کے راستے فانی  
میں اپنی ہر حقیقت کو زمیں پہ بھول بیٹھا ہوں

جہاں پہ بھول جانا تھا وہیں پہ یاد رکھا تھا  
جہاں پہ یاد رکھنا تھا وہیں پہ بھول بیٹھا ہوں

وہ سارے عہد جو میں نے سرِ اقرار باندھے تھے  
عقیل اپنی انا کی اس نہیں پہ بھول بیٹھا ہوں



\*\*\*

نہ کوئی سمت ہے نہ رستہ مکمل ہے  
میں چل پڑوں گا اگر قافلہ مکمل ہے

یہ معجزہ ہے صدیاں سمٹنے والی ہیں  
وگرنہ دور تک ہر فاصلہ مکمل ہے

نجانے کیوں کسی قالب میں تو نہیں آیا  
ذہن میں نقش کا ہر زاویہ مکمل ہے

ضمیر چھان کر آخر ردیف کو دیکھو  
اگر تو سوچ کا ہر قافیہ مکمل ہے

بدن کا شہر ہے قائم معجزہ سمجھو  
وگرنہ کرب کا یہ زلزلہ مکمل ہے

کسی بھی طور پہ الجھن مری نہیں جاتی  
سو میرے سامنے ہر مسئلہ مکمل ہے

عقیل خود سے اب دور جا رہا ہوں میں  
ہوں جس کی زد میں وہ حادثہ مکمل ہے

مجھے بچپن میں جانا ہے

بڑا معصوم بچپن تھا

بڑی معصوم دنیا تھی

سبھی انجان رستے تھے

نظر منزل پہ ہی کب تھی

کوئی غم بھی نہیں تھا

نہ کوئی ارمان تھا دل میں

کوئی دشمن نہیں تھا

اور سبھی ہی دوست لگتے تھے

کسی کا خوف ہی کب تھا

کہاں نفرت کسی سے تھی

نہ امیدوں کا جھنجھٹ تھا

نہ خواہش کے سراپوں کا

کوئی بے سمت رستہ تھا  
 کھولنے ہی سبھی کچھ تھے  
 شہر کی بھیڑ سے وہ دُور  
 اک اطفال کی ٹولی  
 مرا سارا اثاثہ تھا  
 بہت معصوم بچپن  
 برستی بارشوں میں بھگتے  
 رہنا مسافر دیکھتے رہنا  
 گلی میں بھاگتے رہنا  
 وہ ہر وقت بولتے رہنا  
 وہ گرمی کی گرم راتوں  
 میں چھت پر مستیاں کرنا  
 بڑی حیرت سے تکنا چاند کو



اور سوچتے رہنا  
 ملا کر ہاتھ ہو جاتی تھی  
 آخر دوستی سب سے  
 کھلونے بانٹ کر ہی بانٹتے تھے  
 زندگی سب سے  
 وہ چند ننھے سے یاروں  
 میں ہی کھو جانا  
 کہ تھک کر پھر کسی ساعت  
 انہی کھیلوں میں سو جانا  
 میں سوتا تو مرے ننھے بدن  
 کو تھام لیتے تھے  
 اٹھا کر مجھ کو مٹی سے  
 مجھے بستر پہ لاتے تھے

مجھے لوری سناتے تھے  
 کہ میرے پونچھ کر آنسو  
 مجھے کتنا ہنساتے تھے  
 کہاں پہ لے کے آئی ہے  
 مجھے اے زندگی تو بھی  
 یہاں شہروں کی بے حس  
 بھیڑ میں اب اجنبی ہوں میں  
 کہ اب اس دور کا اک در بدر  
 سا آدمی ہوں میں  
 غموں کے بوجھ ہیں دل پر  
 کئی زخموں سے پالا ہے  
 میں تنہا رہ گیا ہوں  
 کوئی تو آواز دے مجھکو

میں بچپن میں کبھی تھک  
کر جو گرتا تھا

میری آواز کو سن کر  
وہ اکثر دوڑ آتے تھے  
مجھے آکر اٹھاتے تھے

کہ میرے پونچھ کر آنسو  
مجھے کتنا ہنساتے

مرے بچپن کی دنیا کے سبھی لوگو  
کہاں پہ کھو گئے ہو تم  
مجھے آواز دو

مجھے بچپن میں جانا ہے  
میرا وہی زمانہ ہے۔

\*\*\*

تلاشِ رزق پرندوں کو در بدر رکھے  
وگرنہ کون نظر میں سدا سفر رکھے

یہ دل بھی کیا کہ ازل کی مسافرت میں ہے  
نہ راستے میں رکھے ہم کو نہ ہی گھر رکھے

قحط پڑے اس بار لگ رہا ہے یہاں  
ہوا سے کہہ دو پرندوں کو باخبر رکھے

ترے وجود پہ اترے نہ دھوپ غم کی کوئی  
دعا ہے سایہ تجھے ہر وقت ہم سفر رکھے

ہم اپنے آپ سے بچھڑے ہوئے ہیں لوگ عقل  
یہاں پہ کون ہمیں اب سمیٹ کر رکھے



جس پیڑ کے دامن میں ثمر میٹھے بہت تھے  
پتھر بھی زیادہ اُسے لوگوں کے لگے ہیں

عزائے ہجر میں برسوں کی سوگوار آنکھیں  
 بدن پہ چھوڑ گیا کون بے قرار آنکھیں  
 تمہارے شہر میں سب قہقہوں کے عادی ہیں  
 کسے ملیں گی بھلا میری اشکبار آنکھیں

\*\*\*

تلاشِ رزق کی قوت فضا میں چھوڑ آئے  
پرندے اپنے پروں کو ہوا میں چھوڑ آئے

اُسے بھی رکھ دیا ہے خواہشوں کے ملبے پر  
اُسے بھی ہم کسی حرفِ دعا میں چھوڑ آئے

وجودِ ذات میں گہرا سکوت ہے اب تو  
کہیں سماعت کوئے صدا میں چھوڑ آئے

پلٹ کے آئیں گے گھونسلوں میں کیا معلوم  
لہو جو سارا پس ارتقاء میں چھوڑ آئے

ہم آگئے ہیں محرومیوں کی زد میں عقیل  
اور اپنے خواب ہی راہ بقا میں چھوڑ آئے

لوگو کی بے رُخی سے اذیت ہوئی مگر  
اِس در بدر حیات نے جینا سیکھا دیا



\*\*\*

دُور برسات میں وہ جلتا مکاں کس کا ہے  
شہر میں پھیل گیا ہے جو دھواں کس کا ہے

اب کوئی شخص نہیں نوحہ کناں بستی میں  
کس کو معلوم کو آخر یہ زیاں کس کا ہے

اب کے وہ یاد نہ رستے نہ ضرورت نہ امید  
کچھ بھی معلوم نہیں شور یہاں کس کا ہے

ذہن میں نقش تخیل تو کئی ہوں گے عقیل  
فیصلہ کون کرے گا کہ گماں کس کا ہے

\*\*\*

خود ہی تحریر کرے خود ہی مٹا دے کچھ بھی  
ریت پہ کون تجھے نقش بنا دے کچھ بھی

لے آ ماضی سے مری عمر مداوے کو یا پھر  
مجھ کو ماضی سے مرا ڈھونڈ کے لا دے کچھ بھی

اک طرف میں ہوں مرے خواب ہیں اب اس

جانب

کیا پتہ ان میں سے کب کوئی گرا دے کچھ بھی

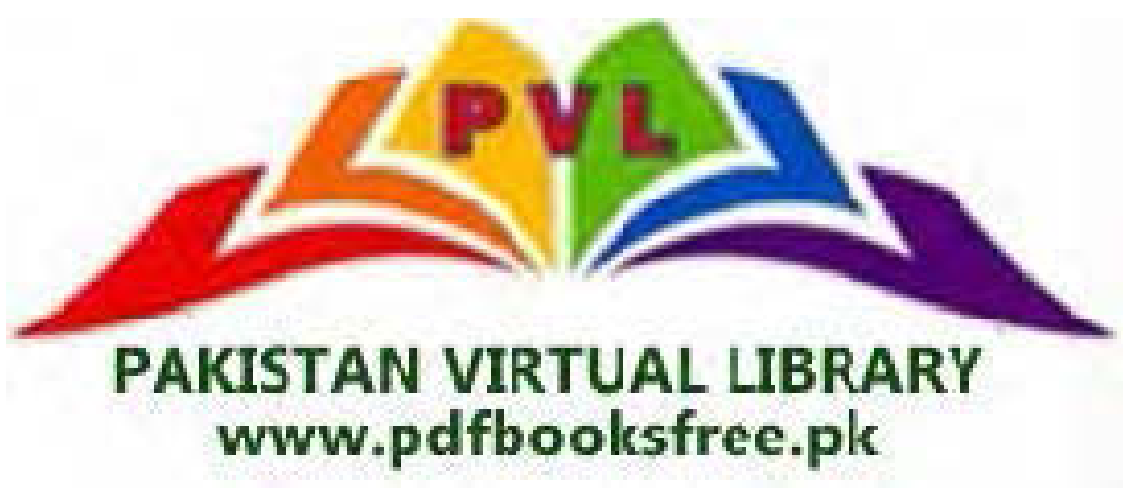
یہ بھی احساسِ اذیت ہے تماشا مجھ میں  
راکھ جس شے کی اڑا دے یا جلا دے کچھ بھی

میں کسی طور بھی ہو لوٹنے والا ہی نہیں  
اب کہیں کوئی بھی ہو مجھ کو صدا دے کچھ بھی

مجھ کو تو خیر کسی سمت نکلنا ہی ہے  
اور مجھے کوئی بھی ہو راہ دکھا دے کچھ بھی

اب نہ آئے گا وہ جینے کا ہنر مجھ کو عقیل  
مجھ کو اس جرم کی دنیا یہ سزا دے کچھ بھی

جرم آدم کا یا ابلیس کی ضد تھی جو تھی  
اس کہانی میں سزا مجھ کو ملی ہے لیکن





\* \* \*

یہاں پہ بادشاہت ہے یہاں محکوم رہنا ہے  
ابھی ساری بہاروں کو خیالوں کو سوالوں میں

یہاں جمہور کے قصے رہیں گے چند حوالوں تک  
ذہن رہ جائیں گے قیدی غلامی کے نصابوں میں

اگر یہ روشنی آزادیِ اظہار ہی گم ہے  
سبق کس کا دیا جاتا ہے بچوں کو کتابوں میں

جنہیں خود چن لیا سب نے جہالت ہے سیاست وہ  
بھٹک جائیں گے آخر لوگ ہی اس کے سراہوں میں

جسے تو نے امانت دی ہے بچوں کے لیے کل کی  
وہ اپنی نسل رکھ جائیں گے اگلے سارے سالوں میں

وہ خود آخر نکل جائیں گے صدیوں میں عقیل آگے  
ہمیں الجھا دیا جائے گا ماضی کے حسابوں میں

\*\*\*

اس دھوپ میں سائے کی ردا مانگ رہے تھے  
صحرا میں کھڑے پیڑ ہوا مانگ رہے تھے

تھے کونسے قیدی وہ جو بے جرم ہیں پھر بھی  
اپنے لیے صدیوں کی سزا مانگ رہے ہیں

اب کیوں یہ پرندوں کو ہجرت کی پڑی ہے  
بچے تو ابھی ان سے غذا مانگ رہے تھے

دیتے ہو جنہیں روز وہ جینے کا ہنر تم  
وہ لوگ تو مرنے کی دعا مانگ رہے تھے

سمجھے ہو جنہیں وقت کا سائل کسی در پر  
وہ لوگ مقدر کا لکھا مانگ رہے تھے

\*\*\*

خشکی میں بھی دریاؤں سے ملتا ہے سمندر  
لگتا ہے مگر پھر بھی کہ پیاسا ہے سمندر

جانے کہ اُسی خواب کی تعبیر بھی کیا ہو  
دیکھا تھا کہ دریا سے نکلتا ہے سمندر

بے چین ہو جیسے کہ کڑی دھوپ کی زد میں  
صحرا میں بھٹکتا ہوا لگتا ہے سمندر

مٹ جاتے ہیں اس میں کئی گرتے ہوئے دریا  
دریا میں بھلا کب کوئی گرتا ہے سمندر

جتنا بھی ہے پھیلا ہوا یہ حدِ نظر تک  
عقیل یہ انسان سے چھوٹا ہے سمندر



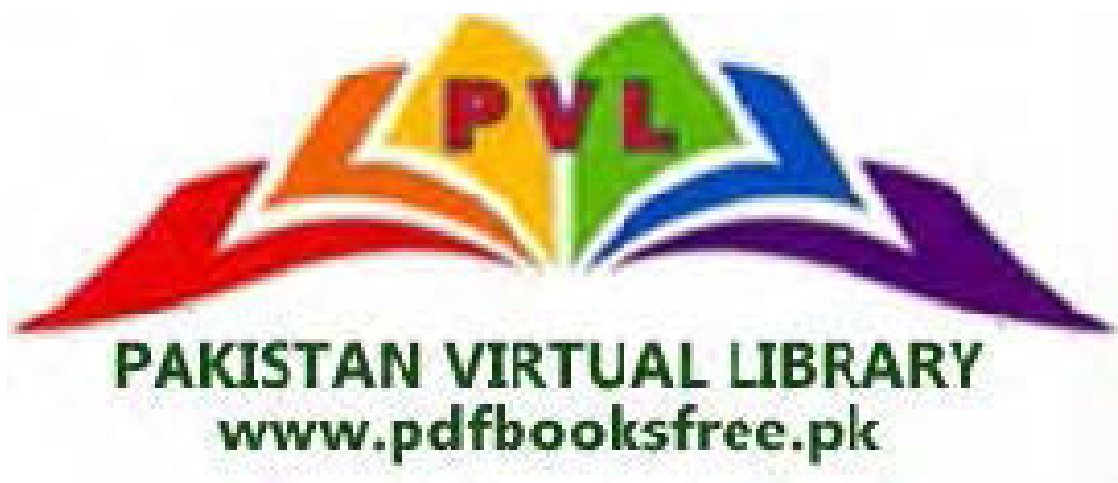
\*\*\*

اس کے آرام کی خاطر کوئی زحمت نہ کریں  
یہ تو اک شخص ہے کانٹوں پہ بھی سونے والا

میں ہی کاٹوں گا مجھے خود ہی اٹھانے دینا  
میں ہوں ماضی میں اسی فصل کا بونے والا

یہ لہو اس لیے اُترا ہے عقیل آنکھوں میں  
اب کوئی بھی نہیں آنکھیں مری دھونے والا

تُو کہیں خود کو یہاں ڈھونڈ رہا ہے شاید  
مجھ میں اب دُور تلک میرے سوا کوئی نہیں



\*\*\*

ہوِ حوصلہ جو خطِ انتہا پہ گرتا ہے  
تھکن سے جسم اسی نقشِ پا پہ گرتا ہے

بہت ہی شور سا رہتا ہے لاشعور تلک  
کوئی سکوت جو رمزِ صدا پہ گرتا ہے

اسے سفر کی خیانت زمیں پہ لاتی ہے  
شجر سے پتہ و گرنہ ہوا پہ گرتا ہے

عقیل کارِ خدا میں وہ رد نہیں جاتا  
کبھی جو آنسو کسی حرفِ دعا پہ گرتا ہے

\* \* \*

لوگ یہ خوش ہیں کنارے پہ تو پانی والے  
سوکھ جائیں گے یہ دریا بھی روانی والے

جب کہیں بھی نہ سکوں آیا تو پھر کیا ہو گا  
سوچ کے گھر سے نکل نقل مکانی والے

ان کے چہروں کے خدو خال پہ حیرانی کیا  
یہ وہی لوگ ہیں خود غرض جوانی والے

نہ وہ دریا نہ تو پنجاب کی مٹی ہے عقیل  
مٹ چکے لوگ وہ تہذیب پرانی والے



زندگی پھر سے اگر مجھ کو عطا کرنی ہے  
میری نکھوں میں کوئی خواب نہ رکھنا یا رب

بہت ہی سوچتا ہوں میں  
 ترے ہونٹوں کی وہ باتیں  
 تری وہ دلنشین آنکھیں  
 سارے ترے پیارے کے لمحے  
 تری آہٹ تری یادیں  
 بہت ہی سوچتا ہوں میں  
 پل کیسے بیتاؤں گا  
 تجھے کیسے بھلاؤں گا

\*\*\*

سوچنا کیا وہ جل بجھا کہ نہیں  
دیکھنا یہ ہے کچھ بچا کہ نہیں

وہ جو سرحد پہ تھا نزاع کا دھواں  
میری آنکھوں میں آ گیا کہ نہیں

خود سے نکلا تو فیصلہ کروں گا  
میں کبھی خود کو بھی ملا کہ نہیں

لوگ تو منتشر ہیں رستے ہیں  
قافلہ در بدر ہوا کہ نہیں

ہر قدم پہ سراب تھا میں بھی  
میں کہیں پہ ہی خود رہا کہ نہیں

دے تو آیا ہوں روشنی شب میں  
دیپ کوئی کہیں جلا کہ نہیں

تھک گئیں انگلیاں عقیل اب تو  
ریت پہ نقش بھی بنا کہ نہیں



زندگی تیرے تماشوں سے میں بچپن کی طرح  
روز جب کھیل میں تھکتا ہوں تو سو جاتا ہوں

\*\*\*

اس سے پہلے کہ زمانے سے مٹا دے مجھ کو  
اب کے زندہ ہوں تو پتھر ہی بنا دے مجھ کو

درمیاں ہوں کسی رشتے کا شکستہ سا وجود  
کچی دیوار کی طرح سے گرا دے مجھ کو

کب تلک کرب کی حدت سے دھواں اُٹھے گا  
اب کوئی تیز ہوا دے کہ جلا دے مجھ کو

ڈھال دے پھر سے مجھے میرے کسی قالب میں  
کوئی تو ہو جو کبھی چن کے بنا سے مجھ کو

\*\*\*

اُجاڑ دشت ہے حدِ نظر کوئی بھی نہیں  
میں چل رہا ہوں بظاہر سفر کوئی بھی نہیں

ہر ایک شخص ہے سردار اس قبیلے میں  
مگر نظر میں مری معتبر کوئی بھی نہیں

اگر یہ دیکھوں کئی کارواں ہیں میرے ساتھ  
اگر جو میرا ہمسفر کوئی بھی نہیں

عقیل درد کا صحرا یہ ختم ہو گا کہیں  
اگرچے دھوپ ہے راہ میں سفر کوئی بھی نہیں

\*\*\*

کوئی اک لاش ہی کب وہ سرِ بازار گرتی ہے  
کسی کے راستے کی وہ کوئی دیوار گرتی ہے

ادھر انسان سے ہے قیمتی یہ عارضی عزت  
یہاں پہ قتل ہو جاتے ہیں جب دستار گرتی ہے

یہاں اپنے ہوں یا کہ غیر ہوں سب ہیں تماثلی  
یہاں ہر شخص کی چادر سرِ دربار گرتی ہے

یہاں بدکار لوگوں کی سدا رہتی ہے سرداری  
یہاں اخلاص کی قیمت پس کردار گرتی ہے



تم تو سورج ہو تمہیں شب کی ضرورت کیسی  
تم تو خوشبو ہو تمہیں ہم سے ہو نسبت کیسی

ہم کو چتا نہیں تم جیسے وہ ہیرے کا خیال  
ہم کو تم جیسے کسی شخص کی چاہت کیسی

تم سے چند پل کا تعارف ہے تو صدیوں پہ محیط  
تم کو ہم سے جو شناسا کرے ساعت کیسی

اُس کو ویرانی سے گزرنے کی ضرورت کیونکر  
اُس کو صحرا پہ برسنے کی وہ فرصت کیسی

\* \* \*

کسی کی یاد کا موسم بدل کے دیکھتے ہیں  
چلو کہ اور کسی سمت چل کے دیکھتے ہیں

ہماری ذات میں تو ہیں اداسیاں ہر سُو  
اب اپنے آپ سے باہر نکل کے دیکھتے ہیں

اُسے تو مل گئی منزل ہمیں بھلا کے عقیل  
چلو کہ ہم بھی ذرا اب سنبھل کے دیکھتے ہیں

\*\*\*

وہ میرا تھا نہ کوئی بھی امید تھی اس کی  
کبھی کبھی مگر اتنی کمی ہوئی اس کی

غموں کی بھیڑ میں الجھوں تو دیر تک اکثر  
میں یاد کرتا ہوں ماضی میں دوستی اس کی

تمام دن کو میں الجھا رہا زمانے میں  
گیا جو گھر تو مجھے یاد آ گئی اس کی

عقیل آنکھ میں اب بھی ہیں نقش وہ منظر  
بھلا سکا نہ ملاقات آخری اس کی

\*\*\*

زمانے بھر کو جو اتنی خوشی سے ملتا ہے  
نجانے کیوں وہ مجھے بے رخی سے ملتا ہے

کسی کسی سے ستارے ملاپ کرتے ہیں  
وگرنہ آدمی ہر آدمی سے ملتا ہے

اسی سے درد بھی ملتے ہیں عمر بھر اکثر  
ہنر بھی جینے کا اس زندگی سے ملتا ہے

نجانے کتنے غموں کی ہے بھیڑ اس کے ساتھ  
جو شخص سب کو ہی زندہ دلی سے ملتا ہے



ہمیں جو لوگ بڑے معتبر لگے تھے کبھی  
کوئی فریب تھے جو ہم سفر لگے تھے کبھی

یہ پھیلی دشت میں خستہ جڑیں بتاتی ہیں  
یہاں کی ریت میں کافی شجر لگے تھے کبھی

میں چل کے رہ میں کچھ دیر رک کے دیکھتا ہوں  
وہ چند مکان جو کچھ دیر گھر لگے تھے کبھی

نظر میں دُور تک پھیلے تو پھر نہیں سمٹے  
وہ فاصلے جو بڑے مختصر لگے تھے کبھی

عقیل چل کے انہی پہ میں ہو گیا پتھر  
وہ راستے جو مجھے بے خطر لگے تھے کبھی

\* \* \*

زمیں میں دفن ہیں صدیوں سے بھی سفر میں ہیں  
وہ کیسے لوگ ہیں جو بے چراغ گھر میں ہیں

ہوا بھی تیز ہوئی جاتی ہے اور پرندوں کے  
نفس بچے ابھی تک گھنے شجر میں ہیں

ابھی نہ چومو اے منزلوں مرے پاؤں  
ابھی تو رستے بہت سے مری نظر میں ہیں

یہاں پہ دریا تو بستی ڈبونے والا ہے  
مکین سارے اب بھی اگر مگر میں ہیں

\*\*\*

بدن کی لاش پہ سانسوں کا قرض رکھتے ہیں  
سو دشتِ ذات میں کب بے سبب بھٹکتے ہیں

طویل یاس میں دیتے ہیں زندگی کے ہنر  
غموں کی بھیڑ میں ایسے بھی لوگ ملتے ہیں

ذرا سی دیر کا ملنا ہی وہ غنیمت ہے  
وگرنہ لوگ ہی کب یہ کسی سے ملتے ہیں

نہ انکو دے کوئی منزل سفر میں رکھنے کو  
جو اپنے سامنے رستے طویل رکھتے ہیں

تمام رات کو ہم جاگتے ہیں وحشت سے  
کہ دن کو شام تک بے ہوش کو کے سوتے ہیں

عقیل ہم کو دیئے ہیں اسی نے گہرے زخم  
وہ جس کے زخم صدیاں لگیں تو بھرتے ہیں



چلو چھوڑو

گزشتہ دور کے قصے  
 پرانے ہو چکے لمحے  
 انہیں اب یاد کیا کرنا  
 اذیت یا محبت تھی  
 عداوات تھی پرانی ہے  
 وہ اک عہدِ گزشتہ کی نشانی ہے

چلو چھوڑو

سمیٹو گفتگو ساری  
 ہمارا کوئی بھی رشتہ نہیں  
 تو ذکر ہی کیسا  
 مگر یہ دل زمانے کے  
 حقائق مانتا کب ہے

کوئی اپنا ہو یا کہ غیر ہو  
 یہ جانتا کب ہے  
 یہ پاگل ہی سہی لیکن  
 ہمیں تو ٹھیک چلنا ہے  
 تمہیں رستہ بدلنا ہے  
 مجھے رستہ بدلنا ہے  
 یہ بے معافی سی باتیں ہیں  
 سو ان کا سلسلہ توڑو  
 چلو چھوڑو

اداس لمحوں کی سسکیوں میں  
 کبھی جو میرا خیال آئے  
 کبھی جو فرصت کی ساعتوں میں  
 ذرا سا دل جب مچل ہی جائے  
 لبوں پہ اور پھر سوال آئے  
 تو سوچ لینا کوئی کمی تھی  
 ہماری چاہت کی شدتوں میں  
 ہمارے جذبوں میں خواہشوں میں  
 اگر اداسی کی ساعتوں میں  
 کوئی نہ دل میں جواب آئے  
 تو خود کو یہی تسلی دینا  
 یہ دل میں جو ہیں ملال سارے

ہے سارا مجبوریوں کا ماتم  
ہمارے بس میں تو کچھ نہیں تھا  
ذہن میں پھر بھی سوال اٹھے  
تو جان لینا  
کوئی کم تھی ہماری چاہت  
کی شدتوں میں



بہت پُر سوز آنکھیں ہیں بڑا ویران منظر ہے  
 شہر سنسان ہے سارا ہر اک اُجڑا ہوا گھر ہے  
 زمانے بھر کے پتھر ہیں مرے سر کے نشانے پر  
 ہجومِ شہر ہے میں ہوں میرا اُجڑا مقدر ہے

مردہ ضمیر لوگ

اکثر ملے ہیں مجھ کو  
 مردہ ضمیر لوگ  
 الجھے ہوئے ہوس کی  
 ہر سمت بھیڑ میں  
 لالچ کی گرد سے اٹے  
 بھوکی نظر کے لوگ  
 جذبوں کو روندتے ہوئے  
 کچھ پُر خطر سے لوگ  
 جھوٹا خلوص دے کے  
 یقین بانٹتے ہیں یہ

لفظوں کے جال سے پھر  
دل پھانستے ہیں یہ  
اپنے مفادات کی دنیا  
ہے انکے ساتھ  
چپکے سے وار کرتے ہیں  
کچھ دیر چل کے ساتھ

\*\*\*

آندھی نہ لرزاتے ہوئے پیڑوں کی صدا ہے  
جنگل میں بھٹکتی ہوئی آوارہ ہوا ہے

اک میں ہوں کہ ہر سمت ہے تنہائی کا ماتم  
ماحول کے چہرے پہ اداسی کی گھٹا ہے

بارش میں ذرا دیر اُسے سوچا ہے جب تو  
احساس کی حدت سے بدن جلنے لگا ہے

بڑھتی ہی چلی جاتی ہے ہر سمت اداسی  
بھگے ہوئے صحرا پہ کوئی نام لکھا ہے



وہ کیا دن تھے کہ جب  
 تم سے ملا کرتے تھے  
 نہ زمانے کی خبر تھی  
 نہ کسی بات کا خوف  
 ہم تھے بس چڑھتی جوانی  
 کے اسیر ان خیال  
 اپنی نظروں میں فقط  
 عشق تھا اور وہی ملال  
 راتیں کٹتی تھیں یادوں  
 کے حسیں جنگل میں  
 دن میں پھرتے تھے ہم  
 تیری اسی چاہت میں  
 ہر طرف تھا تری خواہش

کا وہ تپتا صحرا  
 ہر طرف تھے تری امید کے  
 رستوں کے ہجوم  
 ہم کتابوں پہ ترا نام  
 لکھا کرتے تھے  
 وہ بھی کیا دن تھے کہ جب  
 تم سے ملا کرتے تھے  
 پھر وہ دن آئے تجھے  
 دیکھنا مشکل ٹھہرا  
 ہر طرف پیاس کا صحرا  
 ہی مقدر ٹھہرا  
 آس بھی ٹوٹی کہ منزل  
 کے نشان کھونے لگے

بیچ میں آگئی دیوار  
 زمانے بھر کی  
 کھو گئے بھیڑ میں اک روز  
 اچانک ہم تم  
 اب تو مصروف زمانے  
 کا تقاضہ ہیں ہم  
 ہر طرف کام ہیں  
 مصروف تجارت کا ملال  
 اک زمانہ تھا اُسے پیار  
 کیا کرتے تھے  
 وہ بھی کیا دن تھے کہ تم سے  
 ملا کرتے تھے

چاندنی رات میں  
 تنہائی کی اکٹاہٹ میں  
 پُر شکستہ سی غم جاں  
 کی کسی ساعت میں  
 دیر تک بیٹھے ہوئے  
 سوچتا ہوں اُس کو میں  
 اس بھرے شہر میں اک  
 وہی لگا تھا اپنا  
 ہجر کے تپتے ہوئے صحراؤں  
 میں اب چلنا ہے  
 ہر طرف پھیلی ہوئی تنہائی  
 میں بھٹکنا ہے  
 تُو مری ذات کی تسکین تھا



اے جانِ وفا  
 اب فقط پیاس ہے  
 صدیوں کی تھکن ہے مجھ میں  
 اور بکھرے ہوئے خوابوں کی جبھن  
 ہے مجھ میں  
 کاش رستے میں وہ دیوار  
 نہ حائل ہوتی  
 تم کو مل جاتے مری ذات  
 مکمل ہوتی

\*\*\*

دل میں جلتے ہوئے خوابوں ہوا دینے لگا  
کون گزرے ہوئے لمحوں میں صدا دینے لگا

پھر کسی موڑ پہ شاید کہ دغا ہونا ہے  
اب جو ہر شخص ہتھیلی پہ وفا دینے لگا

ہم تو جینے کو یہاں آئے تھے اللہ کے لیے  
ہم کو ہر شخص ہی جینے کی سزا دینے لگا

\*\*\*

مری وفا یہ مرا اعتبار تیرے نام  
مرا خلوص مرا انتظار تیرے نام

تمام عمر کی یہ ساعتیں تمہاری ہیں  
کہ میرے دل میں ہے جتنا بھی پیار تیرے نام

مری وفا کی یہ ساری وضاحتیں بھی تری  
یہ میری سوچ کے سب اختصار تیرے نام

محبتوں کی سبھی بے بسی بھی تیرے لیے  
تمہارے عشق کے سب اختیار تیرے نام

ہر ایک سانس کی دستک بھی ہے تری خاطر  
تمام عمر کا یہ انتظار تیرے نام

تمہارے واسطے سب کچھ جو بھی ہے میرا  
مرا وجود یہ میرا وقار تیرے نام

تمہارے نام ہی سارے خزاں کے لمحے ہیں  
کہ میری زیست کی ساری بہار تیرے نام



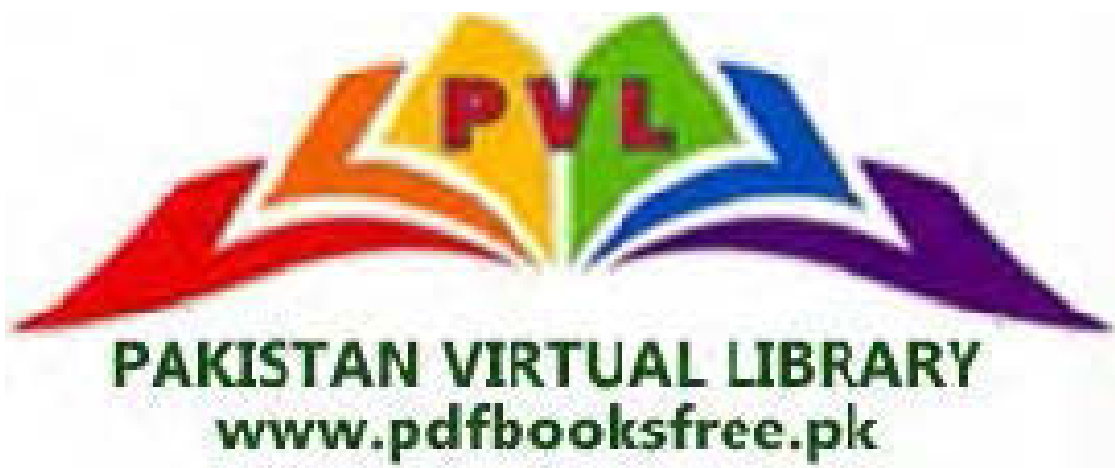
\*\*\*

سب زیست کے عنوان ترے نام نہ لکھ دے  
یہ شہر ستم گر کوئی الزام نہ لکھ دے

ڈرتا ہوں کہ چپکے سے خود غرض زمانہ  
آغازِ محبت کو ہی انجام نہ لکھ دے

لہرائیں نہ ہر سمت کہیں یاس کے سائے  
اس دن کے مقدر میں کوئی شام نہ لکھ دے

صحرا کے سراپوں میں صدا ڈھونڈ رہا تھا  
میں خانہ بدوشوں میں وفا ڈھونڈ رہا تھا





# ریزہ خواب

اردو فرامین اور نظمیں

سید عقیل شاہ

# چلو پھروٹ جاتے ہیں

مجموعہ کلام

سید عقیل شاہ

PDFBOOKSFREE.PK

# تھک گئی آنکھ سرد موسم کی

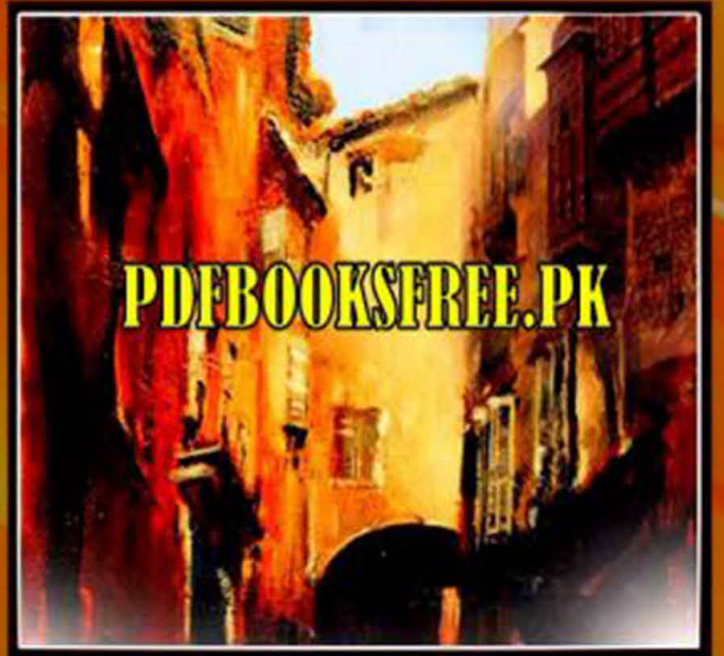
شعری مجموعہ



سید عقیل شاہ

# تیرے شہر میں

سید عقیل شاہ



مری بے بسی کی کتاب کا کوئی حرف ٹوٹنے پڑھا نہیں  
تجھے کیا خبر کہاں مر گئیں مری خواہشیں ترے شہر میں